لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ!

تقریرِ نظامی

دربیانِ حُسنِ انسانی

(مولانا) نظام الدین قاسمی، سیتامڑھی (صاحب)

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندوربار (مہاراشٹر)

Mob.: 8180963955

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین
۳	پیش لفظ: حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی/ ناظم تعلیمات جامعہ اکل کوا
۶	تقریظ: حضرت مولانا ولی اللہ ولی صاحب قاسمی بستوی
۹	حسنِ انسانی پر دو عجیب وغریب واقعہ
۱۱	لفظِ انسان میں پانچ حرفوں سے چھ چیزوں کی طرف اشارہ
۱۲	الف سے اشارہ ''اللہ'' کی طرف
۱۲	اپنا تعلق اور جوڑ اللہ سے قائم کیجئے
۱۴	ایک حاجی صاحب کا واقعہ
۱۶	الف کے زیر سے اشارہ ''عاجزی'' کی طرف
۱۷	ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار
۱۸	''نون'' سے اشارہ نیتِ خالص کی طرف
۱۹	دو صحابی کی نیتوں کا اختلاف
۲۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چرواہے کا دلچسپ واقعہ
۲۲	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خلوصِ دل سے اذان دینا
۲۴	''سین'' سے اشارہ سچائی کی طرف
۲۵	شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا سچ - اور ڈاکوؤں کا توبہ
۲۷	سچ ہی نے بچا دیا
۲۷	لفظِ انسان میں چوتھا حرف ''الف'' جس سے اشارہ امر بالمعروف کی طرف اور پانچواں حرف ''ن'' جس سے اشارہ نہی عن المنکر کی طرف ہے

پیش لفظ

فاضلِ نوجواں، مُتحرک وفعال، ناظمِ تعلیمات، مدیر شاہراہِ علم واستاذِ فقہ وحدیث

حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ضلع نندوربار

اللہ رب العزت نے اس کائنات رنگ وبو کو محض حضرت انسان کے لیے پیدا کیا؛ گویا انسان مخدومِ کائنات، مقصودِ کائنات اور مطلوبِ کائنات ہے۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا خادم ہے۔ اللہ نے انسان کو متضاد صفات کا حامل بنایا، اس کو عقل دی، تاکہ وہ انسان کی خیر کی طرف رہنمائی کرے، نفس دیا تاکہ اس کو برائی پر آمادہ کرے۔ اور اس طرح انسان کو آزمائش میں ڈالا؛ اور کامیابی کی صورت میں اپنی رضا اور جنت کا وعدہ کیا اور ناکامی کی صورت میں جہنم کی وعید سنائی۔

اللہ نے انسان کو اتنا حیرت انگیز بنایا کہ خود انسان کی بسیار کوشش کے باوجود محض اپنے طور پر وہ اپنی حقیقت کو نہیں معلوم کرسکا، تو اس کو اس کی صحیح حقیقت بتلانے کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا۔

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ نے انہیں علومِ الٰہی کی روشنی میں انسان کی حقیقت کو بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے کہ:

انسان کی صحیح تعریف حیوانِ مومن ہے: سارے سائنسی وتاریخی علوم وفنون، فلسفیات و نظریات، اکتشافات وایجادات، تمدن وتہذیب کے کارنامے اور ہنگامے، سب کی سب اس غیب پر ایمان یا اس کے احساس اور طلب کی نہ بجھنے بلکہ تیز سے تیز تر ہوتی جانے والی تڑپ

اور پیاس ہی کے مظاہرے ہوتے ہیں، یہ پیاس نہ ہو یا بجھ جائے تو پھر بلاشبہ انسان چوپایہ نہ سہی، دوپایہ حیوان ہے حیوان کے سوا کچھ نہیں، ورنہ انسان کو اگر حیوان ہی کہنا ہو تو پھر ''حیوانِ ناطق'' وعاقل (RATIONAL) یا حیوان متمدن (سوشل) وغیرہ کے بجائے اس کی اصل انسانی خلقت ونوعیت کو ظاہر کرنے کے لیے ''حیوانِ مومن'' کہنا ہی درست ہوگا، یعنی محسوسات یا عالم شہادت سے ماورانا محسوسات یا عالم غیب کو خلقی وتکوینی طور پر ماننے یا اس پر ایمان رکھنے والا حیوان یہی ''ایمان بالغیب'' انسان کی اس نا محدودیت پسندی اور لازماً نامحدودیت طلبی کا منشا و مرجع ہے کہ نہ وہ علم میں کسی ایسی حد پر ٹھہرنا چاہتا ہے، جس کے آگے پھر کوئی جہل رہ جائے اور نہ قوت وقدرت کے کسی ایسے درجہ پر قانع رہنا، جس کے بعد کوئی چیز اس کی طاقت سے باہر رہ جاتی ہو؛ گویا علم وقدرت وحیات وغیرہ کے جن نامحدود کمالات کو ہم خدا کی ذاتی صفات ہونے کا تصور رکھتے ہیں، انسان نام ہے، ان ہی کو کسی طور پر حاصل کرنے کی سعی وطلب والے ''خدا نما حیوان'' کا۔ اسی کو قرآن کی اصطلاح میں خدا کا نمائندہ یا اس کا جانشین وخلیفہ اور حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں خدا کی ذات وصفات کا ''مظہر اتم'' کہا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی انسانیت کی تخلیقی ابتدا جس طرح غیبیات پر ایمان (یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ) سے ہوئی ہے؛ اسی طرح اس کی یہ امتیازی تخلیق فطرۃً ایسی تکمیلی انتہا کو مانگتی ہے، جو اس کی نامحدودیت کی طلب وتشنگی کو علی وجہ الکمال تشفی بخش سکے، اور اس کی قدرت ومشیت یا کسی خواہش وطلب پر کوئی قدغن اور حد بندی قطعاً نہ رہ جائے، جو کچھ بھی ہم چاہیں اور مانگیں وہ بلا کسی حد بندی کے پورا ہو جائے یعنی ''لَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْ اَنْفُسُکُمْ وَ لَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ'' والی جنت کسی نہ کسی طرح مل جائے۔ (مذہب اور سائنس، ص۳۹)

اللہ نے انبیائے کرام علیہم السلام پر ''دستورِ حیات'' کے طور پر کتابوں اور شریعتوں کو اتارا۔ منجملہ کتبِ سماویہ کے قرآن بھی ایک کتابِ سماوی ہے جو پچھلی تمام کتابوں کے لیے ناسخ ہے اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کو بڑی حسن وخوبی کے ساتھ حل کیا۔ چوں کہ انسان اپنی فطرت اور طبیعت

کے اعتبار سے ہمیشہ ''جستجو'' کا طالب واقع ہوا ہے، لہٰذا قرآن نے جہاں عقائد، احکام، معاشرت، معیشت اور اخلاق سے متعلق تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، وہیں ''تخلیقِ کائنات'' اور ''تخلیقِ انسان'' پر پورے شرح وبسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ قرآن کریم کی تقریباً ایک ہزار آیات میں انہیں دو موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اور سیکڑوں احادیث میں اس کی شرح واقع ہوئی ہے۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا نظام الدین صاحب کو جو جامعہ کے مؤقر استاذ ہیں تقریباً ۲۴ سال سے جامعہ میں تدریس سے وابستہ ہیں۔ اللہ نے مولانا کو تالیف وتصنیف کا ذوق عطا کیا ہے اور اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ ماشاء اللہ تقریر وخطابت میں بھی مولانا کو اچھی خاصی قدرت حاصل ہے، پہلے بھی مولانا کی بہت سی کتابیں جن میں سے اکثر کو جامعہ نے شائع کیا ہے، مقبول عام ہوئی۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی اسی طرح قبولیت حاصل کرے گی، جیسا کہ نام سے واضح ہے، اس پر انسان کے لفظ پر گفتگو کی گئی ہے۔

عصر حاضر کے علمی ذوق میں جہاں بہت سارے نئے پہلو سامنے آئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کلمہ کے ہر ہر حرف پر غور کر کے آدمی ہر حرف سے کسی معنی کو اپنی ذہنی کاوش سے اخذ کرتا ہے اور پھر اس کو ثابت کرتا ہے۔ مولانا نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے اور ''الف'' سے اللہ کی طرف، ''الف کے زیر'' سے عاجزی کی طرف، ''نون'' سے نیت خالص کی طرف ''سین'' سے سچائی کی طرف ''الف'' سے امر بالمعروف کی طرف ''نون'' سے نہی عن المنکر کی طرف اشارہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔ یہ کوئی حتمی امر نہیں کوئی دوسرا آدمی دوسرے معانی بھی نکال سکتا ہے، مگر بہر حال ایک عمدہ کاوش ہے، اللہ محنت کو قبول فرمائے اور امت کے لیے نفع بخش بنائے۔ آمین!

(مولانا) حذیفہ (صاحب) وستانوی

۹/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۵/دسمبر ۲۰۱۱ء

تقریظ

شاعرِ اسلام حضرت مولانا الحاج ولی اللہ ولیؔ صاحب قاسمی بستوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ضلع نندوربار

جناب حضرت مولانا الحاج نظام الدین صاحب قاسمی زید مجدہم، سیتامڑھی، جامعہ کے قدیم اور لائق و فائق استاذ ہیں۔ مولانائے موصوف گوناگوں خوبیوں سے متصف ہونے کے باوصف ایک مستند مصنف بھی ہیں۔ حضرتِ وستانوی صاحب دامت برکاتہم کی فرمائش پر انہوں نے کئی کتابیں مرتب فرمائی ہیں۔ جن میں تذکرۂ اکابر، قرآنی کوئز، ترجمہ منتخب آیات قرآنی، چہل اللہم وغیرہ شامل ہیں۔

علاوہ ازاں دینیات کا نصاب بھی مرتب فرمایا ہے جو کہ درج ذیل کتابوں پر مشتمل ہے: چہل ربنا، چہل حدیث، اشاعتی اردو قاعدہ، اذکارِ مسنونہ۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ یہی نصاب جامعہ اور تمام فروعاتِ جامعہ میں رائج ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ مولانائے محترم ایک کامیاب مقرر بھی ہیں جس کا کھلا ثبوت پیشِ نظر کتاب "تقریرِ نظامی دربیانِ حسنِ انسانی" ہے۔

یہ ۱۹۸۹ء میں بمقام جامع مسجد راجو پٹی، سیتامڑھی میں کی گئی مولانا کی ایک مفصل، مکمل، دل نشین اور مؤثر تقریر ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے وسیع مطالعہ، استحضار اور کمالِ فن کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔

یہ کتاب اس لائق ہے کہ قدر کے ہاتھوں لی جائے، عقیدت ومحبت کی نگاہوں سے پڑھی جائے اور مدارس، مکاتب، کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے مابین عام کی جائے۔

میں دست بدعا ہوں کہ خدائے پاک اس کتاب کو قارئین وناظرین اور خطباء وواعظین کے لیے نافع اور صاحبِ کتاب کے لیے ذریعۂ ثوابِ دارین بنائے۔ آمین!

بڑی دلچسپ و معنی خیز، تقریرِ نظامی ہے ــــ گلوں سے علم کے لبریز، تقریرِ نظامی ہے
مؤثر، دل نشیں، پُرکیف، ہے معمورِ حکمت سے ــــ نشہ آور، طرب انگیز، تقریرِ نظامی ہے

ولی اللہ ولیؔ قاسمی بستوی

۳؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۹؍نومبر ۲۰۱۱ء

ہدیۂ تشکر

''تقریرِ نظامی در بیانِ حسنِ انسانی'' ناچیز کی ۱۹۸۹ء کی کی گئی ایک تقریر ہے جسے دوستوں کے پیہم اصرار پر منظرِ عام پر لانے کی سعی کی ہے۔ میں ممنون ہوں ناظمِ تعلیمات حضرت مولانا حذیفہ صاحب وستانوی اور شاعرِ اسلام حضرت مولانا ولی اللہ ولی صاحب قاسمی بستوی کا کہ ان دونوں حضرات نے اس معمولی سی کاوش کو اپنے اپنے کلمات عالیہ سے مزین فرما کر اس رسالہ کو وقیع بنادیا۔
اللہ تعالیٰ اس کو امت کے لیے نافع بنائے۔ آمین!

نظام الدین قاسمی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا
ضلع نندوربار، مہاراشٹر- ۴۲۵۴۱۵
موبائل نمبر: 09021834790
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۸؍دسمبر ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلا مُضِلَّلَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلا هَادِىَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَ الْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ!

شیدائیانِ اسلام!

ابھی ابھی آپ کے سامنے قرآنِ عزیز کی ایک آیت کریمہ پڑھی گئی جس کے اندر خداوندقدوس انسانوں کی توصیف فرماتا ہے؛ جس کا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے کہ بلاشبہ ہم نے انسانوں کو اچھے ڈھانچے اور اچھے ڈھنگ میں پیدا کیا؛ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سب سے زیادہ حسین، جمیل اور خوبصورت پیدا کیا۔ یہ خوبصورتی اس کی ہیئت وترکیب میں بھی ہے اور یہ خوبصورتی شکل وصورت میں بھی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین بنایا ہے۔

علامہ ابن عربیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں کوئی انسان سے زیادہ اَحسن نہیں کیوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے حیات کے ساتھ عالم، قادر، متکلم، سمیع، بصیر، مدبر اور حکیم بنایا؛ اور یہ سب صفات دراصل خود حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہیں۔

حسنِ انسانی پر دو عجیب وغریب واقعہ

برادرانِ اسلام!

اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرنے سے پہلے دو واقعہ سناتا ہوں تاکہ اصل موضوع سمجھنے میں آسانی ہو۔

حسنِ انسانی کا پہلا واقعہ یہ ہے کہ زمانۂ ماضی میں ایک بادشاہ گزرا ہے، ہارون رشید اور انہیں کے وقت میں ایک بہت بڑے ولی اللہ اور بزرگ، جن کا نام شاہ بہلول تھا، گذرے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہارون رشید بادشاہ ایک روز چاندنی رات میں اپنے محل کے اوپر جب کہ چودھویں کا چاند اپنی روشنی سے پوری دنیا کو منور کر رکھا تھا۔ اپنی اہلیہ زبیدہ خاتون سے نرم نرم گدوں کے اوپر محوِ گفتگو تھا اور دونوں راز و نیاز کی باتیں کررہے تھے، اچانک ہارون رشید کی نظر چودھویں کے چاند پر پڑی، ہارون رشید اپنی بیوی زبیدہ سے کہنے لگا کہ اچھا بتاؤ تم خوبصورت ہو یا یہ چاند خوبصورت ہے؟ چوں کہ زبیدہ بھی بہت حسین وجمیل تھی بول اٹھی میں خوب صورت ہوں، ہارون رشید نے اس کی بات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہ چاند خوب صورت ہے؛ تم کیسے خوب صورت ہو؟ تم جس پلنگ کے اوپر بیٹھی ہوئی ہو، اس کے نیچے اندھیرا ہے اور یہ چودھویں کا چاند پوری دنیا کو منور اور روشن کر رکھا ہے۔ زبیدہ اپنی خوبصورتی کی دلیل پیش کرتی رہی اور ہارون رشید چاند کی خوب صورتی کی دلیل پیش کرتا رہا، یہاں تک کہ اسی گفتگو میں دونوں کو نیند آگئی اور دونوں سو گئے، کوئی فیصلہ نہ ہو پایا۔ جب رات گزر گئی اور صبح نمودار ہوئی اور حسب معمول ہارون رشید اپنے تخت پر مسند افروز ہوا اور تمام وزراء بادشاہ کے اِرد گرد جمع ہو گئے تو دربار کے باہر شاہ بہلول (جن کا نام پہلے ذکر کیا گیا) تلاوت کرنے لگے: وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ • وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ • وَ ھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ • لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡقَمَرَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۔ قمر یہ عربی لفظ ہے جس کا ترجمہ ہے ''چاند''۔ مطلب آیت

کریمہ کا یہ ہے کہ ہم نے چاند کو بہت ہی خوبصورت بنایا ہے۔

حضرات گرامی!

جب ہارون رشید کے کان میں یہ آواز پہنچتی ہے کہ کوئی قرآن مجید کی غلط تلاوت کرر ہا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ کی بجائے لَقَدْ خَلَقْنَا الْقَمَرَ پڑھ رہا ہے، تو غصہ میں آجاتا ہے اور اپنے وزیر کو بھیجتا ہے کہ جاؤ دیکھو کون کمبخت ہے جو قرآنِ مجید کی غلط تلاوت کرر ہا ہے؟ وزیر نے دیکھا کہ یہ تو شاہ بہلول ہیں، چناں چہ دربار میں ان کو بلایا جاتا ہے اور ان سے ہارون رشید سوال کرتا ہے، پوچھتا ہے کہ تم کیوں قرآن پاک کی غلط تلاوت کرر ہے تھے؟ شاہ بہلول جواب دیتا ہے، بادشاہ سلامت! میں آپ ہی کی مطلب کی کہہ رہا ہوں، کہ جب آپ اور آپ کی اہلیہ صاحبہ چاندنی رات میں محو گفتگو تھے اور آپ چاند کو خوبصورت ثابت کرر ہے تھے اور آپ کی اہلیہ زبیدہ اپنے کو خوبصورت اور حسین وجمیل ثابت کرر ہی تھی، تو بندہ آپ ہی کی مطلب کی باتیں کہہ رہا ہے۔تب ہارون رشید کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے اور اقرار کرلیتا ہے، واقعی اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین وجمیل بنایا ہے۔

حسنِ انسانی کا دوسرا واقعہ علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں یہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اور اپنی بیوی سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اٹھے: ”اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِنْ لَّمْ تَكُوْنِيْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ “، یعنی تم پر تین طلاق، اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو۔یہ کہتے ہی بیوی اٹھ کر پردے میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دیدی۔بات ہنسی دل لگی کی تھی؛ مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ خواہ ہنسی دل لگی میں ہی کہا جائے۔عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج وغم

میں گزاری، صبح کو خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا؛ منصور نے شہر کے فقہاء کو جمع کیا اور سوال کیا، سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہوگئی کیوں کہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لیے امکان ہی نہیں۔ مگر ایک عالم جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں تھے، خاموش بیٹھے رہے؛ منصور نے پوچھا آپ کیوں خاموش ہیں؟ تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۂ تین تلاوت کی اور فرمایا کہ امیر المؤمنین، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم میں ہونا بیان فرمادیا ہے؛ کوئی شئ اس سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ سن کر سارے علماء وفقہاء حیرت میں رہ گئے؛ کسی نے مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین وجمیل اور خوبصورت ''انسان'' کو بنایا۔

تو ان دونوں واقعات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے زیادہ حسین بنایا اور بہت بہترین سانچے میں ڈھالا اور پیدا فرمایا۔

لفظِ انسان میں پانچ حرفوں سے چھ چیزوں کی طرف اشارہ

شیدائیانِ اسلام!

ہم اور آپ ہمیشہ لفظِ انسان کا تلفظ کرتے ہیں اور بولتے ہیں اور محاورات میں بھی کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، لیکن کیا آج تک ہم نے غور کیا کہ اس لفظِ انسان سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ اور اللہ جلّ جلالہٗ نے ان الفاظ سے کس طرف اشارہ فرمایا ہے؟ اگر ہم نے آج تک غور وفکر نہیں کیا تو آیئے! آج اس لفظ کی حقیقت پر غور کریں کہ لفظِ انسان سے کس طرف اشارہ ہے اور کون شخص انسان کہلانے کا مستحق ہے؟ اور کون شخص انسان کہلانے کے لائق نہیں؟

الف سے اشارہ "اللہ" کی طرف

لہٰذا اب غور سے ملاحظہ فرمائیں، لفظِ انسان پانچ حرفوں سے مرکب ہے۔ ہر حرف سے اللہ جل جلالہٗ نے الگ الگ چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چناں چہ لفظِ انسان میں سب سے پہلا حرف الف ہے (جس کو قاری حضرات ہمزہ کہتے ہیں) اس الف سے اشارہ لفظ اللہ کی طرف ہے، کہ اے لوگو اور اے اپنے آپ کو انسان کہنے والو! تم اپنا تعلق اور جوڑ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرلو، جب انسان کہلانے کے لائق اور مستحق بنو گے۔ اگر کوئی شخص اللہ جل جلالہٗ سے تعلق اور جوڑ پیدا نہیں کرتا تو وہ شخص ہرگز انسان کہلانے کے لائق اور مستحق نہیں ہے۔ اللہ سے تعلق اور جوڑ اسی راستے کے اختیار کرنے میں ہوگا جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور اس کی تعلیم دی ہے کہ ہم اللہ کے احکام پر چلیں اور قرآن کریم کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں، نمازوں کا اہتمام کریں، روزہ کی پابندی کریں، غریب و مسکین کی اعانت و امداد کریں، تب جا کر انسان کہلانے کے مستحق ہوں گے۔

اپنا تعلق اور جوڑ اللہ سے قائم کیجیے

حضرات!

ذرا غور فرمائیں، ایک بستی میں کوئی مکھیا اور سرپنچ ہے، اب اگر اس مکھیا اور سرپنچ کے ساتھ بستی کے کسی ادنیٰ اور معمولی آدمی کا تعلق ہوجائے اور ذرا دیکھ لے کہ یہ شخص تو مکھیا سے تعلق رکھتا ہے اور باتیں کرتا ہے، تو اس ادنیٰ اور معمولی آدمی کی ہیبت دوسرے لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اور لوگ اس سے پرہیز کرنے لگتے ہیں، اس سے باتیں نہیں کرتے، کہنے لگتے ہیں، اس کو کچھ مت کہنا، چوں کہ اس کا تعلق مکھیا سے ہے اس لیے لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔

سامعین کرام! کیا یہی بات ہے یا کچھ اور ہے۔ بالکل یہی بات ہے۔اب اسی کے ذرا اوپر قدم رکھئے ،اسی شخص کا تعلق مکھیا کے بجائے داروغہ سے ہوجائے تو اب اس سے پورے تھانہ والے ڈرتے ہیں کہ اگر اس کو کچھ ہوگے تو جیل کے اندر ڈلوادے گا۔ اور آگے قدم بڑھائیے ، اگر اسی معمولی آدمی کا تعلق کلکٹر سے ہوجائے تو پورے ضلع والوں پر اس کی ہیبت چھا جاتی ہے، اگر اسی ادنیٰ شخص کا تعلق صوبہ کے وزیر اعلیٰ سے ہو جائے تو پورے صوبہ پر اس کی دھاک جم جاتی ہے اور اگر وزیر اعظم سے ہوجائے تو پورے ملک میں اس کی بات چلنے لگتی ہے؛ اب اس کو کوئی کیا تکلیف پہنچائے گا، لوگ اس سے بات کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔اور آگے چلئے، اسی ادنیٰ شخص کا تعلق ملک کے صدر سے ہوجائے تو پھر بستی، ضلع ،صوبہ اور ملک کیا بل کہ دنیا میں ہی اس کی بات چلنے لگتی ہے اور لوگ اس سے بات چیت کرتے ہوئے جھجھک محسوس کرتے ہیں۔

بتلائیے سامعینِ کرام! کیا یہی بات نہیں ہے؟ بالکل یہی بات علی الترتیب ہے۔

حضراتِ گرامی!

یہیں پر ایک بات ذہن نشیں کرلیں کہ وہ مکھیا، وہ وزیر اعلیٰ ،وہ وزیر اعظم ، وہ صدر جو ہمارے ووٹ کا بھوکا ہے، ہمارا محتاج ہے، اگر الیکشن ہوا اور ہم نے ووٹ دیا تو اس کی کرسی ہے اور وہ کرسی کے اوپر ہے، ورنہ وہ کرسی سے نیچے، تو برادران اسلام جب ایک معمولی اور ادنیٰ شخص کا تعلق وزیر اعلیٰ ، وزیر اعظم ،صدر اور اس مکھیا سے ہوجائے جو ہمارا محتاج ہے، ہمارے ووٹ کا بھوکا ہے؛ اس کے ساتھ کسی کو جوڑ پیدا ہوجانے سے پوری بستی میں شہرت مل سکتی ہے،صوبہ میں اس کا دبدبہ چھا سکتا ہے، ملک میں اس کی ہیبت طاری ہوسکتی ہے، پوری دنیا میں اس کی بات چل سکتی ہے؛ تو اب آپ حضرات کا کیا خیال ہے؟ کیا تصور ہے؟ کیا گمان ہے؟ اس شخص کے بارے میں جو اس خداوند قدوس سے رابطہ اور تعلق قائم کرلے جو احکم الحاکمین ہے، کیا اس شخص کو دونوں جہاں میں

شہرت نہیں مل سکتی ہے؟ کیا اس کا دبدبہ پوری دنیا پر قائم نہیں ہوسکتا ہے؟ کیا اس کی ہیبت پوری دنیا پرنہیں چھاسکتی ہے؟ کیا وہ سعادت سے مالا مال نہیں ہوسکتا ہے؟ بالکل ہوسکتا ہے؛ دنیا ہی کیا بلکہ عقبیٰ اور آخرت میں بھی جو اس فانی دنیا کے بعد ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے؛ وہاں بھی اس شخص کو عزت ملے گی اور وہ وہاں بھی سرخرو ہوگا۔

حضرات!

آپ اگر کسی کو الیکشن میں ووٹ نہ دیں تو نہ معلوم وہ کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائے گا، اگر اس کی زمین آپ کی زمین کے برابر میں ہو تو وہ پانی روک دے گا، مگر اس احکم الحاکمین نے کبھی بھی اپنی داد ودہش کو نہیں روکا، جب کہ ہم معصیتوں اور گناہوں میں سرتاپا غرق ہیں۔

ایک حاجی صاحب کا واقعہ

معزز سامعین!

اسی موقع اور محل کے اعتبار سے ایک حاجی صاحب کا واقعہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں، ایک شخص تھے جو حج بیت اللہ کو جارہے تھے اور ان کے پاس مال وزر بھی تھا، انہوں نے سوچا کہ جو بھی میرے پاس مال وزر ہے، وہ کسی صاحبِ امانت کے پاس رکھ دوں تاکہ راستے میں کسی قسم کا کوئی خدشہ اور پریشانی لاحق نہ ہو اور چور وڈاکو کے شر سے محفوظ رہے، چناں چہ وہ شخص ایسے صاحب امانت کی تلاش اور جستجو میں لگا کہ کوئی مسلمان دیندار سچا اور امانت دار ہو، تو اس کو یہ مال وزر سپرد کردوں گا اور جب حج بیت اللہ سے واپسی ہوگی تو لے لوں گا؛ یہ قصد وارادہ کرکے گھر سے نکلا، سفر کرتے کرتے ایک بستی میں پہنچا، مسجد میں جاکر ظہر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں کی طرف غور سے دیکھنے لگا کہ کون ایسا شخص ہے جس کے پاس امانت کے طور پر اس مال کو رکھا جائے، چناں چہ ایک شخص کے اوپر اس کی نظر جم گئی، ان سے جاکر سلام ومصافحہ کیا اور اپنے مدعا

کو ظاہر کیا کہ میں حج کو جا رہا ہوں اور آپ کے پاس امانت رکھنا چاہتا ہوں، اس شخص نے کہا کوئی حرج نہیں، آپ شوق سے رکھ کر جایئے۔ چناں چہ اس شخص نے روپئے کی تھیلی اس شخص کے سپرد کر دی اور حج بیت اللہ کو چلے گئے۔ جب حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آئے تو اپنی امانت کا مطالبہ کیا، تو اس نے دینے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا، ارے صاحب! آپ کون ہیں؟ میں تو آپ کو پہچانتا بھی نہیں؛ اب وہ حاجی صاحب بہت پریشان ہوئے، چوں کہ ان کا کوئی یار و مددگار نہیں تھا اور نہ کسی سے جان پہچان تھی۔

برادرانِ ملت!

یہ بات یاد رکھیں جہاں کوئی کسی کا مددگار نہ ہو، وہاں اس کا مددگار اللہ ہوتا ہے۔ ایک شخص نے ان کو مایوس دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ کیوں آپ پریشان نظر آرہے ہیں؟ حاجی صاجب نے اپنا پورا ماجرا سنایا تو انہوں کہا کہ آج آپ رات کسی طرح گزار لیں، کل صبح بادشاہ کے پاس آئیں، چوں کہ وہ فریادوں کی فریاد سنتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی طرح رات گزار کر بادشاہ کے پاس گئے اور پورا ماجرا سنایا لیکن اس دن فیصلہ نہ ہو سکا اور دربار سے یہ حکم ملا کہ کل آپ کا فیصلہ ہوگا، وہ اس طرح کہ جس راستے سے میں شاہی دربار میں جاتا ہوں، اس راستہ پر بیٹھ جانا کوئی بھی ہٹائے تو مت ہٹنا۔ اور دوسرا کام یہ کرنا کہ لوگ تو مجھے سلام کرتے ہیں، مگر تم مجھے سلام مت کرنا بلکہ میں تمہیں سلام کروں گا۔ یہ دو باتیں بادشاہ اور حاجی صاحب میں طے ہوگئی۔ چناں چہ صبح ہوئی تو حاجی صاحب اس راستہ پر جا کر بیٹھ گئے، جب بادشاہ کی سواری آئی تو سب کے سب راستہ سے ہٹ گئے، مگر یہ حاجی صاحب وہیں بیٹھے رہے، یہاں تک کہ بادشاہ کا وزیر اور سپاہی اٹھانے آیا کہ یہاں سے اٹھ جاؤ، بادشاہ کی سواری آرہی ہے، مگر یہ اٹھے نہیں، سب لوگ تعجب کی نگاہ سے ان کو دیکھ رہے تھے کہ یہ کیوں نہیں اٹھ رہا ہے، مگر لوگوں کو کیا پتہ کہ یہ تو بادشاہ اور حاجی صاحب کے درمیان راز ہے؛ جس کو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

یعنی ان دونوں میں جو بات ہوئی تھی وہ کون جانتا ہے۔ خیر بادشاہ کی سواری ان کے پاس پہنچی، بادشاہ نے سواری سے اتر کر خود ان کو سلام کیا، پھر انہوں نے جواب دیا، بادشاہ نے کہا کہ کیا بات ہے؟ آپ دربار میں کبھی آتے بھی نہیں، کبھی کبھی آیا کیجئے۔ اب وہ شخص جس نے ان کا روپیہ غصب کرلیا تھا، اپنی دکان پر سے دیکھا کہ اس کا تعلق تو بادشاہ سے ہے، چناں چہ وہ ڈرا کہ کہیں قتل نہ کروادے، فوراً اس نے بادشاہ کی سواری جانے کے بعد ان کو بلایا اور کہا کہ آپ کا روپیہ تو میرے پاس ہے، آپ کچھ نشانی بتلائیے، چناں چہ اس نے بتلانا شروع کیا کہ تم یہ کر رہے تھے، وہ کر رہے تھے۔ الغرض! اس کو وہ روپیہ مل گیا۔

اس واقعہ کو ذکر کر کے بتلانا یہ مقصود ہے کہ دیکھئے اس دکان والے نے جس نے حاجی صاحب کا روپیہ غصب کرلیا تھا، جب دیکھا کہ اس کا تعلق بادشاہ سے ہے تو فوراً وہ روپیہ واپس کردیا؛ تو اگر کوئی ہم میں سے دونوں جہاں کے خالق و مالک اور رب العالمین سے اپنا تعلق اور جوڑ قائم کرلے تو بتائیے! کون اس کو شکست دے سکتا ہے؟ کون اس کو زیر کرسکتا ہے؟ کون اس کی عزت و مال پر حملہ کرسکتا ہے؟ لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ اللہ جل جلالہٗ سے تعلق اور ربط قائم کریں۔

الف کے زیر سے اشارہ ”عاجزی“ کی طرف

برادرانِ اسلام!

لفظِ انسان کے الف کے نیچے جو زیر ہے، وہ ہمیں اس بات کا سبق دے رہی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ تواضع اور عاجزی اختیار کرے، اس لیے کہ زیر بھی نیچے پڑی رہتی ہے، جو عاجزی اور انکساری کی علامت ہے۔ تو حاصل یہ ہے کہ وہ زیر جو الف کے

نیچے پڑی ہوئی ہے وہ اس بات کو بتلا رہی ہے کہ جس کو اللہ جل جلالہٗ سے معرفت اور تعلق قائم ہو جائے تو وہ تواضع اور خاکساری اختیار کرے اور تکبر اور غرور نہ کرے۔

حضرات!

کسی پر اپنی بڑائی کو ظاہر کرنا اور فخر وغرور کرنا، یہ اللہ جل جلالہٗ کو ہرگز پسند نہیں ہے، خواہ وہ فخر وغرور، مال و جائیداد کا ہو؛ خواہ وہ فخر وغرور طاقت وقوت کا ہو؛ خواہ وہ فخر وغرور، شجاعت و بہادری اور دلیری کا ہو، خواہ وہ فخر وغرور، علم وعمل کا ہو اور خواہ وہ فخر وغرور، عقل وہنر کا ہو۔

الغرض! جس قسم اور جس طرح کا بھی فخر وغرور ہو، وہ اللہ کو ناپسند ہے۔ تکبر ایسی بری چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔

حدیث قدسی ہے، فرمایا گیا: اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ یعنی تکبر میری چادر ہے اور جو مجھ سے تنازع کرے گا، میں بھی اس سے تنازع کروں گا۔

بتلایئے آپ ہی حضرات! کون شخص ہے جو احکم الحاکمین سے تنازع کرے اور جھگڑا کر سکے؟ چوں کہ تکبر صرف زیبا ہے خداوند تعالیٰ کو؛ لہٰذا جو بھی تکبر کو اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بہت ناراض ہوں گے۔

دوسری حدیث کے اندر فرمایا گیا کہ جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی یعنی رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، تو وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار

دوستو!

تکبر ایسی بری چیز ہے جس کی وجہ سے ابلیس جیسے عابد وزاہد کو راندۂ درگاہ کر دیا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی پُتلہ کو تیار کیا اور اس میں اپنی قدرت سے روح کو پھونکا، پھر تمام ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ تم سب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو،

تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، مگر ابلیس مردود نے انکار کر دیا اور سجدہ نہیں کیا بلکہ تکبر اختیار کیا، وہ اس طور پر کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، تو اس مردود نے یہ دلیل قائم کی، کہ یا اللہ ہم آدم علیہ السلام کو کیسے سجدہ کر سکتے ہیں جب کہ ہم آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور آدم مٹی سے؛ اور مٹی کی خاصیت پستی ہے اور آگ کی خاصیت بلندی و رفعت؛ تو ہم ان کو کیسے سجدہ کر سکتے ہیں؟ آخر کار اس نے انکار کیا اور تکبر کیا؛ چناں چہ قیامت تک کے لئے راندۂ درگاہ کر دیا گیا، جس کو قرآن مجید نے بیان کیا: اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکَافِرِیۡن۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

حضراتِ گرامی! تواضع، عاجزی، خاکساری؛ ان سب میں آرام وراحت ہے اور تکبر ورفعت میں ذلت ورسوائی ہے۔ جس کو ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ذرے ہوئے بلند، ہَوا اُن کو لے اڑی
قطرے ہوئے جو پَست، گُہر بن کے رہ گئے

جس شخص کی خواہش ہو کہ وہ اپنا تعلق اللہ سے قائم کرے اور اپنے کو انسان کہلوانے کے مستحق بنے تو چاہیے کہ وہ تکبر کو چھوڑ کر تواضع اور عاجزی اختیار کرے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے۔

''نون'' سے اشارہ نیتِ خالص کی طرف

حضرات!

لفظِ انسان میں دوسرا حرف ''ن'' ہے جو مشیر ہے نیکی اور نیت خالص کی طرف کہ جو بھی کام کیا جائے اس میں رِیا نہ ہو۔ بلکہ نیت خالص ہو، بس یہ نیت ہو کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں فقط اللہ جل جلالہٗ اور جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے کر

رہے ہیں، چوں کہ نیت ہی اصل چیز ہے، نیت ہی کے اعتبار سے کاموں کے ثمرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں، جیسی نیت ہوتی ہے ویسا ہی اس کا فائدہ اور نتیجہ نکلتا ہے۔

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَات یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اب آپ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں، مگر آپ کی نیت خراب ہے، آپ صدقہ وغیرہ کر رہے ہیں لیکن آپ کی نیت میں فتور ہے کہ ہم کو لوگ سخی اور مالدار کہیں گے، ہماری شہرت ہوگی؛ تو وہی نیک عمل وبال جان بن جائے گا اور معمولی کام ہے، مگر خلوص سے کر رہے ہیں، محض اللہ اور اس کے رسول جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کر رہے ہیں؛ تو انشاء اللہ وہی ادنیٰ سا عمل نفع بخش ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ نیت اصل چیز ہے۔ اگر نیت درست ہے تو عمل بھی درست ہوگا اور ثواب بھی ملے گا۔

دوسری حدیث کے اندر فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ لَا اِلٰى اَعْمَالِكُمْ وَ لٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ نِيَّاتِكُمْ۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیشک اللہ نہیں دیکھتا تمہاری صورتوں کی طرف اور نہ تمہارے اعمال کی جانب، بلکہ دیکھتا ہے تمہارے قلوب اور نیتوں کی طرف کہ تمہاری نیّتوں میں کیا ہے اور تمہارے دلوں میں کیا ہے؟

دو صحابی کی نیتوں کا اختلاف

چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے مسجد کے دروازے کے قریب ایک کھونٹا گاڑ دیا، مگر جب ایک دوسرے صحابی تشریف لائے اور انہوں نے کھونٹا کو دیکھا تو اس کو اکھاڑ دیا۔ جب ان صحابی کو معلوم ہوا کہ میں نے جو کھونٹا گاڑا تھا وہ دوسرے صاحب نے اکھاڑ دیا ہے تو دونوں میں اختلاف ہوا۔ گاڑنے والے فرمانے لگے کہ تم نے کیوں اکھاڑا اور اکھاڑنے والے فرمانے لگے کہ تم نے کیوں گاڑا؟ دونوں

حضرات میں بحث ومباحثہ ہونے لگا، یہاں تک کہ مقدّمہ دربارِ رسالت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا؛ دونوں حضرات نے تمام ماجرا بیان کیا کہ تنازع اس بات میں ہے کہ میں نے کھونٹا گاڑا تھا، انہوں نے اکھاڑ دیا ہے۔ دوسرے صاحب کا کہنا ہے کہ تم نے کھونٹا کیوں گاڑا تھا؟ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گاڑنے والے سے سوال کیا کہ تم نے کھونٹا کیوں گاڑا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کھونٹا مسجد کے دروازہ کے قریب اس لیے گاڑا کہ کبھی ایسا ہو کہ کوئی مسافر اونٹ وغیرہ کی سواری کئے ہوئے آئے اور جماعت کا وقت قریب ہو، جلدی سے اپنی سواری کو اس میں باندھ دے اور نماز میں شامل ہو جائے۔ اگر کھونٹا نہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ وہ نماز میں مشغول ہو جائے اور اس کی سواری بھاگ جائے؛ تو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس خاطر کھونٹا گاڑا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن لی تو دوسرے صحابیؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم نے کھونٹے کو کیوں اکھاڑا؟ تو انہوں نے جواب دیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جب اس کھونٹے کو دیکھا تو ذہن میں یہ بات آئی کہ کوئی نابینا آدمی جب نماز کے لیے آئے گا تو جلدی میں کہیں اس کا پاؤں اس میں نہ لگ جائے اور اس کو تکلیف نہ پہنچ جائے اور اس کی جماعت نہ فوت ہو جائے یا دوسرا شخص جس کو جماعت کی فکر ہو اور وہ بے خبری کی حالت میں آئے اور اس کی نظر اس کھونٹے پر نہ پڑے اور اچانک اس میں پھنس کر گر جائے، جس سے جماعت جاتی رہے؛ تو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس خاطر اس کھونٹے کو اکھاڑ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی بات سن لی تو ارشاد فرمایا: جاؤ تم دونوں کی نیت درست ہے اور تم دونوں کو اس کا ثواب ملا۔

حضرات گرامی!

دیکھئے دونوں حضرات کی نیت درست تھی تو دونوں کو ثواب ملا محض نیت کے صحیح

ہونے کی وجہ سے، ورنہ بظاہر دونوں حضرات کا کام ہر ایک کے خلاف تھا۔ بہر حال آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی نیت کو درست رکھے، کوئی بھی کام کرے تو محض رضائے الٰہی مقصود ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چرواہے کا دلچسپ واقعہ

دیکھئے! موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قومِ بنی اسرائیل میں ایک چرواہا تھا، ہر وقت اللہ کی یاد اس کے ہر عضو سے ظاہر ہوتی تھی، صفات جلالی و جمالی حق تعالیٰ میں ہمیشہ محو اور مدہوش رہتا تھا، ایک روز جنگل میں بیٹھا ہوا گویا معاینہ و مشاہدۂ ربانی میں مشغول ہو کر بڑی محنت اور عشق سے یہ باتیں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! تو کہاں ہے؟ اگر میرے پاس ہوتا تو تیرے ہاتھ پاؤں کو دابتا، تیری جوئیں دیکھتا، تجھے اپنی بکریوں کا دودھ پلاتا، روغنی روٹی پکا کر کھلاتا، تیرے سر میں تیل ڈالتا، تیری خوب خدمت کرتا، وہ عاشقِ مولا تو یوں کہہ رہا تھا اتنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آپہنچے، فرمایا: ارے تو کس سے خطاب کر رہا ہے؟ جواب دیا، اپنے پیدا کرنے والے رب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ڈانٹ پلائی اور کہا ارے کمبخت! تُو تو ایسی باتیں اس کی شان میں کہنے سے کافر ہو گیا، وہ تو کھانے پینے سے مبرا اور منزہ ہے، ہاتھ پاؤں اس کے لیے ثابت کرنا گناہ کبیرہ ہے، وہ خدمت لینے اور دودھ پینے، روٹی کھانے، ساری ضرورتوں سے پاک ہے، سب کو کھلاتا ہے آپ نہیں کھاتا، تو نے بڑا ظلم اور بڑا گناہ کیا، تو کافر ہو گیا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر چپ ہو گیا اور اس کا بدن مارے ڈر کے کانپنے لگا اور جنگل کی طرف بھاگا، اپنے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر منہ پیٹنے لگا؛ اسی وقت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور خدا کا پیغام لائے۔ جس کو مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا — بندۂ مارا چرا کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ باتیں سن کر بہت ڈرے اور اس کی تلاش میں مصروف ہوئے۔ صاحبو! دیکھئے یہ شخص صورتاً شرک کر رہا تھا کیوں کہ خدا کے لیے سر، پیر اور منہ وغیرہ ثابت کر رہا تھا مگر قلب اور نیت صاف تھی؛ لہٰذا اس پر کچھ گرفت نہ ہوئی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زجر اور ڈانٹ نازل ہوئی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہ لاَ یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ لَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ نِیَّا تِکُمْ۔

حضرت بلالؓ کا خلوصِ دل سے اذان دینا

برادرانِ اسلام؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، مسجد نبوی میں مؤذن تھے، پانچوں وقت خلوص دل سے اذان دیا کرتے تھے۔

حضرات!

حضرت بلالؓ وہ شخص تھے جن کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شبِ معراج میں جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میں اپنے سے آگے بلال کو جاتا ہوا دیکھتا ہوں، میں نے دریافت کیا، اے بلال! تو دنیا میں کون سا ایسا عمل کرتا ہے؟ جس کی وجہ سے آج میں تم کو اپنے سے آگے دیکھتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کی وجہ سے (مگر علماء نے جواب دیا ہے کہ حضرت بلال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آگے جانا ایسا تھا جیسے کوئی خادم مخدوم کے آگے جایا کرتا ہے؛ نہ بر بنائے مرتبۂ خیر کے) چوں کہ حضرت بلالؓ حبش کے باشندے تھے؛ لہٰذا حرف عربی ان کے زبان سے کماحقہٗ ادا نہیں ہوتے تھے؛ اَشْھَدُ کو اَسْھَدُ سین مہملہ سے کہتے تھے؛ اذان میں صحت الفاظی نہ ہونے کی وجہ سے چند صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کفار حضرت

بلال کی اذان سن کر تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسے ایسے جاہلوں کو اکٹھا کر کے مسلمان بنایا ہے جن کو صحت الفاظی تک نہیں آتی ، اس لیے ہمیں بھی شرم آتی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت بلالؓ کو مؤذنی سے موقوف کر دیجیے کسی اور کو جو اس کام کے قابل ہو مقرر کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا بھائی جیسی تمہاری رائے ہو۔ آخر حضرت بلالؓ کو موقوف کر دیا گیا اور ایک شخص کو مؤذن متعین کیا گیا، مگر نئے مؤذن نے صرف ایک ہی وقت اذان دی تھی کہ اسی وقت خداوند کریم کی طرف سے حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں فرشتہ آیا اور کہا۔ جس کو مولانا روم نے فرمایا ۔

گفتِ ہاتف بر درِ خیر الوریٰ

چہ سبب بے بانگ شد خانہ خدا

یعنی ہاتف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آ کر کہا کہ حضور آپ کی مسجد میں آج اذان کیوں نہیں ہوئی ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس کو مولانا رومؒ نے فرمایا ۔

گفت اذاں امروز شد با شور زور

شد مصلّی راحت و شیطان نفور

کہ آج اذان تو بہت زور شور کے ساتھ ہوئی ہے جس سے سارے نمازی خوش اور راضی ہو گئے اور شیطان بھی بہت دور بھاگ گیا، یعنی حدیث میں آیا ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے، وہاں تک شیطان نہیں آتا بل کہ اذان کی آواز سن کر بھاگ جاتا ہے۔ پھر ہاتف نے کہا ۔

گفت ہاتف باذان بانگِ بلال

خوش شدے بر عرش اعلیٰ ذوالجلال

یعنی حضرت بلال جب اذان دیتے ہیں، تو ان کی آواز عرش معلیٰ تک جاتی ہے اور خداوند کریم مع اپنے ملائکہ کے نہایت خوشی سے اذان سنتے ہیں چوں کہ آج حضرت بلال کی

آوازنہیں پہنچی ،لہٰذا خداوند برتر دریافت فرماتا ہے، کیا آج مسجد میں اذان نہیں ہوئی؟ یہ ماجرہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلایا اور احوال سنایا۔

المختصر پھر حضرت بلال کو موٴذن معین فرمایا اور ہمیشہ حضرت بلال اذان دیتے رہے۔دیکھئے! اللہ پاک صورت کو دیکھتا تو حضرت بلال کی اَسْھَــــد کو جو صورۃً غلط ہے دیکھتا اور ان کی موقوفی پر خوش ہوتا؛ بلکہ نیت اور قلب کی طرف دیکھتا ہے چوں کہ ان کی نیت اور قلب درست اور صاف تھے، اگر چہ زبان سے صاف الفاظ ادا نہ ہوتے تھے مگر یہی پسندیدہ تھے اور حضرت بلالؓ کی موقوفی گوارہ نہیں کی۔اس لیے کسی نے لکھا ہے ؎

ظاہری پر حق نہیں کر تا نظر لیک باطن پر کرے اے بے خبر!

جو عمل دل سے نہیں بس ہے تلف لکھ گئے ہیں اِس بیان میں سلف

یوں ہوا فرمانِ حق اے ہوشمند! ماسوا دل کے نہیں ہم کو پسند

ان واقعات سے معلوم یہ ہوا کہ بغیر اخلاص نیت کوئی چیز معتبر نہیں۔لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں،قلب اور نیتوں کو پاک وصاف رکھیں۔

’’سین‘‘ سے اشارہ سچائی کی طرف

بزرگو اور دوستو!

لفظِ انسان میں تیسرا حرف سین ہے جو مشیر ہے سچائی کی طرف یعنی انسان کے اندر جو سین ہے، ہمیں سچائی کی تعلیم دیتی ہے، کہ ہم سب کو چاہیے کہ اپنے اندر سچائی پیدا کریں اور جھوٹ سے اجتناب اور کنارہ کشی اختیار کریں، چوں کہ یہ بات محقق ہے کہ جھوٹ میں تباہی و بربادی ہے اور سچائی وصدق میں نجات اور راحت و آرام ہے۔ جھوٹ میں تباہی و بربادی اس لیے ہے کہ یہ کافروں کی خصلت وعادت ہے، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے: اِنَّمَا یَفْتَرِیْ الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ اُوْلٰئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۔جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر

اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

حق تعالیٰ نے جھوٹ بولنے کو اس آیت میں کافروں کی خصلت قرار دیا ہے۔ حضرت امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے دور ہو جاتا ہے، اس بدبو کی وجہ سے جس کو وہ لایا۔ تو جھوٹ میں بہت سے مفاسد ہیں۔ چناں چہ عربی کا مقولہ ہے ''اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَ الْکِذْبُ یُهْلِکُ'' کہ سچائی نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتی ہے۔

حضرات! سچ کی مناسبت سے دو واقعہ سنتے چلیں:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا سچ - اور ڈاکوؤں کا توبہ

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ چودہ برس کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک قافلہ کے ساتھ بغداد کو روانہ ہوئے والدہ محترمہ نے آپ کی آستین میں چالیس اشرفیاں رکھ کر اس مقصد کے لیے سی دیں کہ حفاظت رہے اور ضرورت کے وقت کام آسکیں؛ بدقسمتی سے راستے میں ڈاکہ پڑا جو شئ جس کے ہاتھ آئی، ڈاکوؤں نے اس سے بڑی بے دردی سے چھین لی۔ ڈاکوؤں نے آپ سے پوچھا، تمہارے پاس کیا ہے؟ آپ نے کہا چالیس اشرفیاں۔ ڈاکو سمجھے آپ نے مذاق کیا ہے چناں چہ آپ کو اپنے سردار احمد الفی کے پاس لے گئے اور ماجرا بیان کیا۔ سردار نے بھی آپ سے یہی پوچھا اور آپ نے اُسے بھی یہی جواب دیا، اس نے کہا، اچھا لاؤ دکھاؤ تو وہ چالیس اشرفیاں کہاں ہیں؟ آپ نے آستین ادھیڑی اور اشرفیاں نکال کے ان کے سامنے رکھ دی۔

ڈاکو بہت حیران ہوئے، سردار نے کہا، اے لڑکے! تو نے ایسی چھپی ہوئی چیز جو ہزار کوششوں کے باوجود بھی ہمارے ہاتھ نہ آسکتی تھی کیوں ظاہر کر دی؟ آپ نے جواب دیا میں تعلیم کے غرض سے بغداد جا رہا ہوں، یہ اشرفیاں میری والدہ نے سفر کے خرچ کے لیے میری آستین میں رکھی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بڑی شدت سے تاکید کی کہ سچ

کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا، ہمیشہ سچ بولنا، ڈاکوؤں کے دلوں پر آپ کی بات نے کچھ ایسا اثر کیا کہ فوراً ڈکیتی سے توبہ کرکے پارسائی اختیار کرلی یہاں تک کہ یہ لوگ چوروں اور ڈاکوؤں کی صف سے نکل کر اللہ کے دوستوں میں شمار ہوئے۔

سچ ہی نے بچادیا

حجاج بن یوسف بڑا ظالم بادشاہ گزرا ہے، اس نے بہت سے دین داروں بزرگوں اور علما کو قتل کرایا ہے۔ ایک مرتبہ اس نے حضرت حسن بصریؒ کو قتل کرانے کا ارادہ کیا۔ حضرت کو بھی خبر پہنچ گئی، آپ یہ خبر سن کر حضرت حبیب عجمیؒ کے پاس جو بڑے پائے کے بزرگ تھے تشریف لے گئے اور قصہ سنایا۔

انہوں نے فرمایا کہ آپ اس مسجد میں چلے جایئے، خدا کے حکم سے محفوظ رہیں گے، آپ وہاں جا کر عبادت میں مصروف ہوگئے مگر کسی مخبر نے خبر کردی۔

حجاج نے آپ کی تلاش میں بیس سپاہی بھیجے کہ جس قدر جلدی ہوسکے پکڑ لائیں۔ سپاہیوں نے آکر حبیب عجمیؒ سے دریافت کیا کہ حسن بصریؒ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا مسجد میں ہیں۔ مسجد میں گئے تو خدا کی قدرت حسن بصریؒ ان سپاہیوں کو نظر نہیں آئے، وہ پھر حضرت حبیب عجمیؒ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ایسے عابد وزاہد ہوکر جھوٹ بولتے ہیں، کہتے ہیں کہ مسجد میں ہیں حالاں کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔

فرمایا میں تو جھوٹا نہیں ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اندھا کردیا ہے کہ تم کو نظر نہیں آئے، وہ لوگ یہ سن کر دوبارہ مسجد میں گئے، بہت ڈھونڈا مگر حسن بصریؒ کا پتہ نہیں چلا، آخر تھک ہار کر چل دیئے۔ حسن بصریؒ باہر تشریف لائے تو حضرت حبیب سے پوچھا کہ تم نے میرے قاتلوں کو میرا پتہ کیوں دیا؟ انہوں نے فرمایا ''سچ'' ہی نے بچادیا، ورنہ میں اور تم دونوں مارے جاتے۔

محترم حضرات! اسی صداقت کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ صدیق کے لقب سے نوازے گئے۔

اسی صداقت کی وجہ سے جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کے لقب سے پکارا گیا۔ اور اسی صداقت کا ذکر کر کے خود خداوند کریم نے اپنے کلام پاک میں اپنے متعلق ارشاد فرمایا: ''وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلا''۔ کہ کون شخص ہے جو اللہ سے زیادہ سچا قول و بات میں ہو سکتا ہے؟

تو ہمیں انسان کی سین یہ خبر دے رہی ہے اور یہ بتلا رہی ہے کہ جو شخص سچ بولتا ہے اور سچائی اختیار کرتا ہے وہی درحقیقت انسان کہلانے کا مستحق ہے، ورنہ انسان کہلانے کے قابل نہیں۔ اور نہ وہ ''لَقَدْ خَلَقْنَا الانْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم'' کا مصداق بن سکتا ہے۔

لفظِ انسان میں چوتھا حرف ''الف'' جس سے اشارہ امر بالمعروف کی طرف اور پانچواں حرف ''ن'' جس سے اشارہ نہی عن المنکر کی طرف

برادرانِ اسلام!

لفظِ انسان کے اندر چوتھا حرف الف ہے جو اشارہ کر رہا ہے امر بالمعروف کی طرف اور پانچواں حرف نون ہے جو مشیر ہے نہی عن المنکر کی جانب۔ مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! اے اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت کرنے والو! اے مسلمانو! جب تمہارے اندر یہ تین چیزیں پیدا ہو جائیں گی کہ اللہ سے تعلق اور ربط پیدا کر لو گے، تکبر کو چھوڑ کر عاجزی و انکساری اختیار کر لو گے؛ اسی طرح ریاء وغیرہ کو چھوڑ کر اخلاص نیت پیدا کر لو گے، صدق و سچائی کا دامن پکڑ لو گے اور جھوٹ سے بالکلیہ باز آ جاؤ گے تو تمہارے اندر بطور نتیجہ کے دو چیزیں برآمد ہوں گی: ایک امر بالمعروف کہ تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دو گے۔

اور دوسری چیز نہی عن المنکر، کہ تم لوگوں کو منکر اور بری چیزوں سے روکو گے

جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَلْتَکُنْ مِنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔ حق سبحانہٗ وتقدس نے اس آیت شریفہ میں ایک اہم مضمون کا حکم فرمایا ہے، وہ یہ کہ امت میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے مخصوص ہو کہ وہ اسلام کی طرف لوگوں کو تبلیغ کرے اور اچھائیوں کا حکم کیا کرے اور بری چیزوں سے منع کیا کرے۔ درمنثور میں بروایت ترمذی وغیرہ حضرت حذیفہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ جل جلالہٗ اپنا عذاب تم پر مسلط کر دیں گے، پھر تم دعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔ یہ طریقہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے، تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دی ہے۔

حضرات! غور کریں جس طرح انسان میں پانچ حرف ہے، اسی طرح ہمارا دین اسلام بھی پانچ چیزوں پر قائم ہے اور ہاتھ اور پیر میں بھی پانچ پانچ انگلیاں ہیں، جب ہم پانی دائیں ہاتھ سے پیتے ہیں اور پانچوں انگلی سے برتن کو پکڑ کر پیتے ہیں تو ہمیں وہ یاد دلاتا ہے کہ یہ اس دین کا ماننے والا ہے جس کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

میرے محترم بزرگو!

اگر ہم لَقَدْ خَلَقْنَا الانْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم کا مصداق بننا چاہتے ہیں تو ہم ان چیزوں کو اپنے اندر لائیں اور ان باتوں پر عمل کریں۔

دعاء کیجئے اللہ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنیکی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين